دعوت دین اور اقامت دین کے لئے

ضرورت جماعت اور اطاعت امیر

تالیف:

ابو معاویہ مفتی مولانا محمد آیاز

العلم پبلیکیشنز

عبدالغنی پلازہ محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور شہر

091-2580325 - 2590315

0333-4532836 / 0332-9241690

ضرورت جماعت

اور اطاعت امیر

ابومعاویہ مولانا مفتی محمد ایاز حفظہ اللہ

العلم پبلیکیشنز، محلہ جنگی پشاور
091-2590315

فہرست مضامین

اہمیت اور ضرورت جماعت	490
ہمارا دینی مزاج	493
غیر اسلامی افکار	497
اسلام دشمن عناصر	498
اخلاص کا فقدان	498
گناہوں کا بوجھ	499
اعلیٰ اوصاف	499
دعوت کا نبوی منہج	501
نبوی ﷺ جماعت کے کمالات اور انقلاب کا اعجاز	503
دعوت اور جماعت	504
ہجرت و جہاد کے لیے التزامِ جماعت	505
ضرورت جماعت اور اولوالعزم انبیاء کرامؑ کے احوال	506
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال	512
حضرت لوط علیہ السلام کا حال	513
نماز اور دیگر عبادت سے اجتماعیت کا سبق	513
گھریلو تنظیم	514
شہد کی مکھی اور نظم جماعت	515
بھیڑ بکریوں کا ریوڑ اور اہمیت جماعت	516
سفر میں بھی جماعت اور امیر ضروری ہے	518
جماعت رحمت اور سبب دخول جنت ہے	518
جماعت لازم اور اس کے بغیر زندگی جاہلیت ہے	519
جماعت سے علیحدہ شیطان کا ساتھی ہے	521
اسلام جماعت کے بغیر نامکمل ہے	521
اطاعتِ امیر	522

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم مسلمان ہیں اور یہ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ انسانیت کی اصل ترقی و فلاح دین کے ساتھ وابستہ ہے۔اس عقیدہ کی وساطت سے ہر انسان پر دو طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ایک انفرادی اور دوسری اجتماعی۔ اجتماعی ذمہ داری کی عدم ادائیگی کی صورت میں دوسری تمام طاعات گزاریاں اور نیکوکاریاں اور باقی تمام تقوی، احسان اور سلوک نامکمل ہیں۔ جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

عَنْ أَبِي سعيدِ الخُدريِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔ [رواہ مسلمؒ]

"جو کوئی تم میں سے کسی منکر کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے منع کرے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر دل میں اس سے نفرت کرے اور یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے"۔

اسلام کے سب تقاضے انفرادی طور پر پورے نہیں کیے جا سکتے۔ اس کے لیے اجتماعی کوشش ضروری ہے۔ پورے دین کو عملاً قائم کرنے کے لیے قطعاً ناگزیر ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو جائیں اور منظم طریقے سے اس کی طرف دعوت دیتے ہوئے اپنے معاشرے کی اصلاح کی طرف توجہ دیں اور ان مزاحمتوں کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں جو دعوتِ دین اور اقامتِ دین کی راہ میں حائل ہوں۔

اہمیت اور ضرورت جماعت:

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ انسان تنہا نہیں پایا جاتا وہ ایک مدنی الطبع ہستی ہے۔ وہ کسی کا بیٹا یا باپ، بیٹی یا ماں ہے۔ وہ کسی خاندان کے فرد، کسی قبیلے کے رکن، کسی شہر کے شہری اور کسی ملک کے باشندے کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنی فطری صلاحیتوں کے

پروان چڑھنے کے لیے وہ ان سب باتوں کا محتاج ہے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اکیلے کام کرنے اور اجتماعی طور پر کام کرنے میں نتائج کے اعتبار سے زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ کسی بھی شخص کے اندر بہت سے کاموں کی صلاحیت نہیں ہوتی، بلکہ وہ ایک دو یا زیادہ سے زیادہ چند کام کر سکتا ہے اور جو بھی کام کرے گا، وہ اتنے بڑے پیمانے پر نہیں کر سکتا کہ اس سلسلے میں دعوت کی تمام ضرورتیں اور تقاضے پورے ہو جائیں، لیکن ایک اچھی جماعت سے یہ سب کچھ ممکن ہے۔ پانی کی ایک بوند سے سیلاب نہیں آتا، لیکن بوند بوند پانی جمع ہو کر دریا کی شکل اختیار کر لے تو وہ سینۂ زمین کو چیرتا اور جنگلوں کو کاٹتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح فرد کی صلاحیتیں گو بہت محدود ہیں، لیکن انہی افراد سے ایک ایسی تنظیم اُبھر سکتی ہے، جو مخالف نظریات کو اکھاڑ پھینکے اور فکر و نظر کی ایک نئی دنیا آباد کرے۔ تنظیم کے پاس ہر صلاحیت کے لوگ ہوتے ہیں جس کام کے لیے جن صلاحیتوں کے انسان کی ضرورت ہے، وہ ان ہی صلاحیتوں کے انسان کو اس مشن پر لگا سکتی ہے۔ تنظیم اور اجتماعیت مختلف افراد کو جمع کر کے ایک ایسا مجموعہ بناتی ہے جس کے ذریعے وہ کام سرانجام دیئے جا سکیں جو انفرادی طور ہر شخص کے لیے مشکل ہوتے ہیں، نیز اجتماعیت افراد کے اندر اتنی قوت پیدا کرتی ہے کہ ایک جمع ایک سے دو کے بجائے گیارہ بنا دیتی ہے، جو صرف افراد کے مجموعے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جماعت اور نظم صرف صلاحیتوں کو جمع نہیں کر دیتی، بلکہ ان کو ضرب دے کر کئی گنا زیادہ اضافہ کرتی ہے۔ یہ وہ کام ہے جو ایک منظّم جماعت کرتی ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جماعت میں کوئی فرد بے کار نہیں۔ ہر فرد کی اپنی اہمیت ہوتی ہے چاہے کم سے کم صلاحیتوں والا ہی کیوں نہ ہو۔ عمارت بنانے کے لیے اینٹوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی اینٹ عمارت کی اکائی ہے، جب تک یہ اینٹ ایک خاص ترتیب اور نظم کے بغیر صرف ایک ڈھیر کی شکل میں ہو تو اس میں وہ مضبوطی نہیں ہوتی جو دیوار میں ہوتی ہے اور نہ ہی اس میں وہ خوبصورتی ہوتی ہے، جو ایک عمارت میں ہمیں نظر آتی ہے، لیکن جب معمار ان اینٹوں کو ایک خاص ترتیب اور نظم کے ساتھ لگاتا ہے تو اس سے ایک مضبوط دیوار بن جاتی ہے اور انہی دیواروں کے نظم سے ایک خوبصورت اور

مضبوط عمارت وجود میں آتی ہے۔ اس عمارت اور دیوار کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کے لیے سہارا ہوتی ہے۔ یہ کام کرتے ہوئے آپ نے معمار کو دیکھا ہوگا کہ دیوار میں اینٹ لگاتے لگاتے کبھی ایسا موقع بھی آجاتا ہے کہ وہاں پوری اینٹ نہ ملے تو معمار پوری اینٹ کو توڑ کر آدھی اینٹ کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ جس سے دیوار مکمل ہو جاتی ہے اسی طرح جماعت میں کسی کم صلاحیت ساتھی یا رکن کو بھی بے کار نہ سمجھا جائے کہیں نہ کہیں تو اُس کی ضرورت آہی جاتی ہے۔ اجتماعیت اور تنظیم میں ہر فرد ایک دوسرے کا سہارا اور کمی پورا کرنے والا ہوتا ہے۔ جس سے کام میں عظیم برکت پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ۔ [مشکوۃ]

"اللہ کا ہاتھ (امداد) جماعت کے ساتھ ہوتا ہے"۔

ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں کو مختلف صلاحیتیں دی ہیں۔ کسی کو بولنے کی صلاحیت دی ہے، کسی کو لکھنے کی، کسی کو بھاگ دوڑ کی قوت، کسی کو غور و فکر اور تدبر و تفکر کی، تو کسی کو جسمانی طاقت اور کسی کو مالی وسعت سے نوازا ہے اسی طرح کسی کو علوم دینیہ اور کسی کو دنیاوی تعلیم و معلومات سے بہرہ ور فرمایا ہے۔ دین و مذہب کے مخالف اور لادینیت، کفر و شرک کے علمبرداروں کو دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ پوری طرح منظم ہو کر کام کر رہے ہیں اور ان کے مختلف گروہ اور جتھے مختلف اطراف سے پوری تنظیم اور اجتماعیت کے ساتھ دینی قوتوں پر یلغار کر رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اجتماعیت کا مقابلہ انفرادیت سے نہیں کیا جاسکتا اس کے لیے اجتماعیت اور نظم ہی کی ضرورت ہے۔

اسی بناء پر انسان کو معاشرتی حیوان کہا گیا ہے۔ جس طرح مچھلی پانی سے مستغنی نہیں ہو سکتی اسی طرح انسان معاشرے اور جماعت سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان معاشرے اور اجتماعیت سے بے تعلق ہو کر اپنی صلاحیتوں کا صحیح طور پر مظاہرہ کر سکتا تو اسلام رہبانیت کی قطعاً ممانعت نہ کرتا۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے نباتات میں بیل والے پودے سے مشابہ ہے۔ جس طرح انگور کی بیل صحیح طور پر تب ہی پروان چڑھتی ہے جب اسے کوئی سہارا ملے۔

بغیر اس سہارے کے وہ سکڑ کے رہ جاتی ہے۔ اسی طرح انسان بھی صحیح طور پر تب ہی پروان چڑھتا ہے جب اس کو صحیح معاشرے اور ایک صحیح جماعت کا سہارا ملے، بغیر اس سہارے کے اس کی صلاحیتیں سکڑ کر رہ جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی ضروری ہے کہ یہ سہارا اس کے روحانی تقاضوں کے موافق ہو۔ جس طرح انگور کی بیل اس سہارے کے اثرات میں سے حصہ لیتی ہے جس پر وہ چڑھتی ہے۔ اسی طرح انسان اس معاشرے اور اجتماعیت کی خیر و شر سے بھی متاثر ہوتا ہے جس میں وہ زندگی گزارتا ہے انگور کی بیل کو نیم پر چڑھا دیجیے تو اس کے پھل کڑوے کیسے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح انسان اگر بُرے معاشرے اور بُرے لوگوں کی اجتماعیت میں زندگی گزارے تو وہ بُرا بن سکتا ہے۔ بہر حال انسان اور پھر خصوصاً ایک مسلمان کے لیے معاشرے میں زندگی گزارنے کے لیے جماعت کی بے حد ضرورت ہے تاکہ وہ دنیا میں جماعتی زندگی گزارے اور یہی اسلام کی تعلیم ہے

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَاِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةِ۔ [ترمذی]

"تم پر جماعت کی شکل میں رہنا فرض ہے اور تنہا رہنے سے بچ کر رہنا"۔

ہمارا دینی مزاج:

ہمارے دین کی مجموعی فطرت اور مزاج، خالص اجتماعی مزاج ہے۔ اسلام دنیا کے تفرقوں کو مٹا کر تمام دنیا کی ایک عمومی برادری قائم کرنے آیا ہے۔ اس نے عرب کے متفرق قبائل کو جو باہم دشمن یا کم از کم ناآشنا تھے، ان کے درمیان پائی جانے والی قبائلی تقسیم کو مٹا کر اسلام کے ابدی رشتہ میں ایک دوسرے سے منسلک کر دیا۔ مہاجرین و انصار میں وہ اخوت پیدا کر دی کہ نسبی برادریاں اس کے آگے ہیچ ہو گئیں۔ اسلام نے جغرافیائی اور نسلی امتیازات جن کے اندر کبھی بھی تمام دنیا نہیں سما سکتی، کو مٹا کر صرف ایک دین، ایک عقیدے و نظریے کو جامعہ ارتباط قرار دیا، تاکہ دنیا کے جس حصے اور انسانوں کی جن نسلوں تک بھی اس کا دائرہ وسیع ہو وہ ایک برادری اور جماعت بن کر رہیں۔ اس لیے قرآن نے اعلان کیا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ [حجرات: ۱۰] "تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ: مِثْلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ: تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى [بخاری و مسلم]

"مسلمان باہمی رحم، محبت اور مہربانی میں ایک بدن کی مانند ہیں، جب ایک عضو کو درد ہوتا ہے تو تمام بدن ایک دوسرے کو بخار اور بے خوابی کی دعوت دیتا ہے"۔

اسی طرح قرآن پاک میں بھی مسلمانوں سے ہر جگہ خطاب "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" سے ہوتا ہے یہ اسلوب جماعت و امت کو مستلزم ہے۔ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ پوری امت کے اندر ایک چھوٹی امت، جماعت کے وجوب، اہمیت و ضرورت پر دلالت کرتی ہے جو اس مسئلے پر نص قطعی کے مقام کا حامل ہے۔ مختصر یہ کہ ہر سلیم العقل انسان تھوڑی بہت سوچ و فکر سے اس نتیجے پر بآسانی پہنچ سکتا ہے کہ جماعت کی اہمیت ہمارے دین کے مجموعی مزاج میں گندھی ہوئی اور خوشبوؤں کی طرح پھول میں رچی بسی ہے۔ دین کے لیے منظّم جدوجہد ضروری ہے، بلکہ ایک نتیجہ خیز کام کے لیے التزامِ جماعت اور قیامِ جماعت بدرجہ اتم واجب بلکہ فرض ہے، تب جا کے دنیا میں صالح اسلامی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ اس کی ایک سادہ اور عام دلیل یہ ہے کہ رب کی عبادت، دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اشاعت دین اور اقامت دین جماعت کے بغیر نہیں ہوتے، تو جو چیز فرض کی ادائیگی کے لیے لازم ہو وہ بھی فرض ہو جاتی ہے، مثلاً نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کے لیے وضو شرط ہے تو وضو کو بھی فرض کا مقام حاصل ہو گیا۔ اسی طرح حج ادا کرنا صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ اس کے لیے احرام شرط ہے لہٰذا احرام کو بھی ادائیگی حج کے لیے فرض قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح رب کی عبادت اور دعوت و تبلیغ، اشاعت و اقامت دین کے لیے بھی جماعت کی ضرورت، اس کا قیام اور التزام ناگزیر بلکہ واجب اور فرض ہے۔ جیسا کہ خود خالق کائنات نے اپنی عظیم الشان کتاب قرآن حکیم میں اس کام کے لیے جماعت کے ہونے کا حکم دیا ہے۔

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ [آل عمران: ۱۰۴]

"اور تم میں ایک جماعت تو ایسی ضرور ہونی چاہیے، جو نیکی (قرآن، اللہ کے قانون) کی طرف بلائے اور لوگوں کو بھلائی (توحید و سنت، نیک عمل) کا حکم دیتی رہے اور برائی (شرک، بدعت، ہر گناہ) سے روکتی رہے، جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے"۔

جماعت کے بغیر انفرادی سطح پر بعض کام مثلاً درس و تدریس، تعلیم و تربیت، تزکیہ و اصلاح، عبادت و ریاضت، تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف کے علاوہ کچھ نہ کچھ دعوت بھی ہو سکتی ہے، لیکن انقلاب، اقامت دین، بقاء دین، غلبہ دین، اجتماعی اصلاح اور جد و جہد بغیر جماعت کے ہر گز نہیں ہو سکتی۔ کسی بھی دعوت اور تحریک کے لیے تنظیم کی بڑی اہمیت ہے اس لیے عقل بھی کہتی ہے کہ اسلام کی دعوت اور تحریک کے لیے نظم جماعت کو اہم ہونا چاہیے۔ اس حقیقت سے انکار کرنے والا شخص فاتر العقل ہی ہو سکتا ہے۔ ہماری بدقسمتی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہمارے ہاں بدی تو منظّم اور پوری باقاعدگی کے ساتھ اپنا کام کر رہی ہے۔ جو اشخاص لوگوں کی جیبیں کاٹتے ہیں ان کی بھی تنظیم ہوتی ہے۔ آج کل ڈاکے پڑنا روزمرہ کا معمول ہو گیا ہے، ان ڈاکوؤں کے بھی گروہ ہوتے ہیں۔ اس ملک میں اشتراکی، سیکولر انقلاب چاہنے والے یا فحاشی و عریانی معاشرے میں عام کرنے والوں اور اسلام کے خلاف کام کرنے والوں کی بھی باقاعدہ تنظیمیں اور این جی اوز موجود ہیں۔ آج مسلمانوں کو ختم کرنے، اسلامی حکومتوں اور اس میں تیل معدنیات کو اپنے قبضے میں لانے کے لیے عالمِ کفر خصوصاً مغرب کے یہود و نصاری کا بھی اتحاد اور منظّم جمعیت ہے، جو مسلمانوں کو ایک ایک کرکے مارنے اور قبضہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ مگر نیکی منظّم نہیں ہے۔ اگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارا ملک اور قوم ان فتنوں، غلط عقائد و اعمال، بد اخلاقیوں، بد کرداریوں اور یہود و نصاریٰ کے جال اور اللہ کے عذاب میں مبتلا ہو تو ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ منظّم اور اجتماعی طاقت سے اس بڑھتے ہوئے فتنے کا مقابلہ کریں، جو تیزی کے ساتھ ہمیں تباہی کی طرف لے جا رہا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ ہمارے

مختلف حلقوں میں اس دعوت اور اقامت دین کے لیے تنظیم کی اہمیت محسوس ہی نہیں کی جاتی، دنیا کے ہر نظریے کی اساس پر اٹھنے والی دعوت تو اپنی تنظیم قائم کر سکتی ہے، لیکن اسلام کی دعوت کے لیے اگر کوئی تنظیم وجود میں آئے تو بعض لوگ اس پر ناگواری کا اظہار کرتے ہیں اور بعض حضرات کو اس پر سخت اعتراض ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ حضرات فی نفسہ اسلام کی دعوت کے مخالف ہیں اور اس کی اشاعت ان کو ناپسند ہے، بلکہ ان کے نزدیک اسلام کی دعوت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انفرادی طور اس دینی فریضہ کو سرانجام دیا جائے۔ انہیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں کہ بوقت ضرورت کچھ افراد عارضی طور پر مل جل کر اسلام کی کوئی خدمت انجام دیں، لیکن وہ اس بات کو صحیح نہیں سمجھتے کہ محض اس غرض سے ایک مستقل جماعت وجود میں آئے، جو اسلام کی دعوت اور اس کے غلبہ کی تدابیر سوچے، اس کے لیے کوئی منصوبہ تیار کرے، اس منصوبے کے تحت افراد کو کام میں لائے اور اس طرح سے کام کریں جس طرح دنیا کی دوسری جماعتیں کام کرتی ہیں۔ اس طرح جو لوگ اپنے ذوق کے مطابق انفرادی طور پر اسلام کی کوئی خدمت مثلاً اسلام پر ریسرچ کرتے ہوں، تحقیقی مقالے تصنیف کر رہے ہوں، اس کے اصول و نظریات کو ثابت کرنے میں اپنی بہترین صلاحیتیں لگاتے ہوں، غیر اسلامی عقائد و افکار پر تنقید کرنے اور ان کی خامیاں واضح کرنے میں پیش پیش ہوں تو وہ لوگ ان کی ہمت افزائی اور ستائش کرتے ہیں اور اپنی حد تک ان کے ساتھ تعاون کرنے میں بھی انہیں دریغ نہیں ہوتا، لیکن اسلام ہی کی خدمت اگر کوئی جماعت کرنا چاہیے تو اس کا سارا کام ان کی نظر میں غلط قرار پاتا ہے۔ اور وہ اس کے ساتھ کسی بھی تعاون کے روادار نہیں ہوتے۔ گویا ان کے خیال میں افراد کا اپنی شخصی حیثیت میں اسلام کے لیے جدوجہد کرنا تو صحیح ہے، جبکہ اپنی قوتوں کو یکجا کرکے اس راہ میں لگانا صحیح نہیں۔ بعض لوگ اسلام کی دعوت کے لیے تنظیم کو غلط تو نہیں سمجھتے، بلکہ اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں، لیکن اجتماعیت اور تنظیم سے لاتعلّقی کے لیے چند حیلے بہانے اور کچھ اعذار پیش کرتے ہیں، مثلاً:

غیر اسلامی افکار:

کبھی کہا جاتا ہے کہ بلا شبہ دعوت اور دینی کام کے لیے جماعت ضروری ہے، لیکن موجودہ حالات میں اس طرح کی تنظیم سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو گا۔ کیونکہ ہم ایسے ماحول میں گھرے ہوئے ہیں جہاں غیر اسلامی افکار کی حکومت ہے اور فساق و فجار کا غلبہ ہے اور اسلام کے خلا شدید جذبات پائے جاتے ہیں۔ اس ماحول میں اسلام کو پھیلانے اور اس کو غالب کرنے کی منظّم جدوجہد میں اس بات کا خطرہ ہے کہ برسر اقتدار نظریات اس کو اپنا حریف سمجھ بیٹھیں اور ماحول سے اسے اکھاڑ پھینکے۔ اس خطرے سے اس طرح بچا جا سکتا ہے کہ افراد اپنے طور پر دعوت کا فرض انجام دیتے رہیں۔ اور اسے کسی ایسی منظّم کوشش میں تبدیل نہ کریں جس سے معاشرہ کے بااثر لوگ اور عوام سے تصادم پیدا ہو۔ اس لیے حکمت و دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ کام کی وہی صورت اختیار کی جائے جس کے جاری رہنے کے امکانات ہوں اور اس طریقے کو اختیار نہ کیا جائے جو کام ہی کو سرے سے ختم کر دے۔

اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے اگر نظمِ جماعت ضروری ہے اور بغیر جماعت کے اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا تو لازماً جماعت کو وجود میں لانا ہو گا خواہ حالات سازگار ہوں یا ناسازگار۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مخالفت صرف منظّم دعوت کی ہو گی انفرادی کوشش کی نہیں ہو گی، کیونکہ اسلام کی دعوت ایک انقلابی دعوت ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ، حاجت روا، مشکل کشا، عبادت اور بندگی کے لائق، حاکم، قانون دان نہیں۔ یہ بات جب بھی کہی جائے گی خواہ اس کے کہنے والی زبان ایک ہی کیوں نہ ہو، وقت کا اقتدار، علماء سوء، پیرانِ ضلالت اور جاہل عوام اس کو اپنے خلاف بغاوت سمجھیں گے۔ اور اُس کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو کسی باغی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اور عوام و جہال کا بھی وہی رویہ ہو گا جو قوموں نے انبیاء علیہم السلام اور داعیانِ حق کے ساتھ کیا تھا۔

آپ کسی ایسے دور کی نشان دہی نہیں کر سکتے جس میں اسلام کی دعوت اٹھی ہو اور اقتدار وقت یا لوگوں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا ہو۔ شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ فرمایا

کرتے تھے کہ حق مسئلہ بیان کرنے اور حق کی صدا بلند کرنے پر لوگ تمہارے گلے میں ہار نہیں ڈالیں گے، بلکہ حق کی تاریخ یہی ہے کہ جس نے بھی اس کی دعوت دی لوگوں نے اسے پتھر مارے، حکمرانوں نے جیلوں میں ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کام میں آزمائشیں ہیں اور بڑی سخت آزمائشیں ہیں۔ قرآن انبیاء علیہم السلام کے واقعات سے بھرا پڑا ہے اور اسلافِ امت کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اس کا حوصلہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن میں اقتدار وقت کے طیش کو برداشت کرنے اور اس راہ میں مشکلات سہنے کی ہمت ہو۔ اس مشکل کام کو بقول شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ وہ آدمی کر سکتا ہے جو رجلیت (مردانگی) میں کامل ہو، جس میں حریت پائی جاتی ہو، جس کی طبیعت میں غیر کی غلامی اور خوف نہ ہو۔ کم ہمت، ڈرپوک، غلام ذہن رکھنے والا انسان اس راہ میں دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔

اسلام دشمن عناصر:

دوسرا عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ معاشرے اسلام دشمن عناصر نے اتنی گمراہی پھیلائی ہوئی ہے جن کے مقابلے میں ہماری انفرادی یا جماعتی دعوت اور محنت کوئی اثر نہیں رکھتی، ہم محنت کرکے جتنا راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں وہ اتنا ہی دور بھاگتا ہے، لہٰذا ہماری محنت بے کار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس پر مکلّف نہیں کیا ہے کہ ہم لوگوں کو راہِ راست پر لائیں، بلکہ ہماری ذمہ داری دعوت اور محنت ہے۔ لوگوں پر اثر کرے یا نہ کرے، ہمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی دعوت اور نہی عن المنکر کا صلہ ملے گا ان شاء اللہ۔ باقی محنت کا ثمرہ دنیا میں اگر ہم زیادہ نہیں دیکھ سکتے تو اگر تھوڑا بہت بھی کام ہو جائے تو یہ غنیمت ہے۔

اخلاص کا فقدان:

کبھی یہ عذر پیش کیا جاتا ہے مذہبی جماعتوں میں اخلاص کا فقدان ہے۔ افراد دین کی بجائے صرف جماعت اور تنظیم کے لیے کام کرتے ہیں۔ جہاں تک اخلاص کی بات ہے تو اس کا انحصار افراد پر ہے اور یہ بات عموماً تصور کی جاتی ہے کہ کسی بھی تنظیم میں اخلاص نہیں۔ یہ بھی سو فیصد صحیح نہیں، کیونکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے اخلاص سے کام کرنے والے بندگانِ الٰہی اور جماعتیں بھی موجود ہیں۔

گناہوں کا بوجھ:

یہ عذر بھی پیش کیا جاتا ہے کہ ہمارے کندھوں پر گناہوں کا اتنا بوجھ ہے، ہمارے اندر اتنی خامیاں ہیں کہ ہم کسی ایسی جماعت میں شرکت کے اہل نہیں ہیں جو اسلام کی دعوت کا مقدس فریضہ سرانجام دے رہی ہو۔ پہلے ہم اپنی خامیوں کو دور کر لیں، پھر اس کا ساتھ دیں گے۔ اصل میں یہ عذر پیش کرنے والے اکثر اپنی جان چھڑانے اور اپنی کم ہمتی، سستی اور کام چوری کی بناء پر کہتے ہیں۔ رہا خامیوں کا بہانہ تو اس کے متعلق ہم یہی عرض کر سکتے ہیں کہ آپ کی خامیاں اگر اس نوعیت کی ہیں کہ آپ کسی اسلامی نظمِ جماعت میں شامل نہیں ہو سکتے تو قطع نظر اس سے کہ آپ کسی اسلامی تنظیم میں شامل نہیں ہو سکتے، قطع نظر اس سے کہ آپ اس کا ساتھ دیتے ہیں یا اس سے الگ رہتے ہیں۔ آپ کو ہر کام چھوڑ کر فوراً اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہیے، کیونکہ اتنی بڑی خامیوں کے ہوتے ہوئے بے فکری اور سکون کے ساتھ زندگی گزارنا آپ کے لیے صحیح نہیں بلکہ ہلاکت کا سبب ہے۔

اس کے جواب میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی کمزوریوں کا احساس ہے اور ہم ان کی اصلاح سے غافل نہیں ہیں، لیکن دیکھا گیا ہے کہ زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے اور ان کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اپنی خامیوں کا عذر ان کو زندگی بھر اسلام کی راہ میں اپنا حصہ ادا کرنے سے باز رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی ان کو اپنی خامیوں کا صحیح احساس نہیں، کیونکہ صحیح احساس کے پیدا ہونے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ انسان مستقل طور پر اپنی غلطیوں پر جما رہے اور اس پر قابو نہ پا سکے۔

اعلیٰ اوصاف:

ایک عذر یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جو جماعت اور تنظیم اللہ کے بندوں کو اسلام کی دعوت دے، اس کے اندر تقویٰ، خدا ترسی، اعلیٰ اخلاق، دین سے محبت، اس کے لیے ایثار و قربانی جیسے اوصاف لازمی ہیں اور موجودہ دور میں ایسی کوئی جماعت نہیں جو ان اعلیٰ اوصاف سے متصف ہو۔

جہاں تک ان اوصاف کا جماعت کے داعیوں کے لیے ہونا ضروری ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن یہ بات کہ کوئی جماعت ان اوصاف کی حامل نہیں، غلط ہے۔ دنیا میں مختلف جماعتیں صحیح نہج پر اسلام کی خدمت کر رہی ہیں۔ ان میں وہ اوصاف اگر مکمل نہیں تو کسی نہ کسی درجہ میں ضرور موجود ہیں جو اسلام کی دعوت کے لیے مطلوب ہیں۔ البتہ اس طرح کی جماعت اور تنظیم سے الگ رہنا اس کے لیے اُسی وقت صحیح ہوگا، جبکہ اس کے اندر کوئی ایسی نمایاں خرابی ہو کہ اس کے بعد وہ دعوت دین کا اہل ہی نہ رہے، لیکن اگر اس میں چھوٹی موٹی خامیاں پائی جاتی ہوں تو مومن کے شایانِ شان یہ بات نہیں کہ دین کے کام کرنے والی جماعت کو ان چھوٹی اور معمولی باتوں کی وجہ سے کمزور یا رسوا کرنے کی کوشش کرے اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرے، کیونکہ ہر قسم کی خامیوں سے پاک تو انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ ہیں۔ اس کے لیے صحیح رویہ یہ ہے کہ اس کے پاکیزہ مقصد میں اس کا ساتھ دے اور ساتھ ہی اس کی خامیوں کی اصلاح کی جدوجہد بھی کرتا ہے۔

تھوڑی دیر کے لیے ہم اگر یہ مان بھی لیتے ہیں کہ آپ جہاں ہیں وہاں بلکہ ساری دنیا میں ایسی کوئی جماعت ہی نہیں جس کو خالص اسلامی جماعت کہا جاسکے، لیکن اس کی وجہ سے اسلام کے لیے اجتماعی جدوجہد کی جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر عائد ہوتی ہے، وہ ساقط نہیں ہو جائے گی، بلکہ آپ کو اس وقت سب سے پہلے صحیح خطوط پر اسلام کی خدمت کرنے والی جماعت قائم کرنے کی انتھک کوشش کرنی ہوگی اور جب ایسی جماعت وجود میں آجائے تو اس کے ساتھ مل کر دعوت کا فریضہ انجام دیں، کیونکہ جس طرح اسلام کی دعوت آپ پر فرض ہے اسی طرح اس دعوت کو انجام دینے کے لیے جو وسائل درکار ہیں ان کا حصول بھی فرض ہے۔

بعض وہ حضرات بھی ہیں جو دعوت اور دین کے کام کے لیے جماعت کی ضرورت سمجھتے ہی نہیں۔ اگر ان سے اس انداز فکر اور طرزِ عمل کی کوئی دلیل آپ پوچھیں تو شاید وہ ایک ہی جواب دے سکیں گے۔ اور وہ یہ کہ اسلام کی دعوت اور کام کے لیے نظم جماعت اور تنظیم سازی کی کتاب و سنت اور دورِ اول میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اگر آپ اس سے ہٹ کر تنظیم کی اہمیت پر کچھ اور

دلائل فراہم کریں تو وہ کہیں گے کہ تمہارا ذہن غیر اسلامی تحریکات سے متاثر ہے۔

ہمارے نزدیک یہ اندازِ فکر عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے غلط ہے اور قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ میں اس خیال کے لیے بھی کوئی سند نہیں۔ موجودہ دور کی تحریکیں تنظیم کو اگر ضروری سمجھتی ہیں تو اسے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام تنظیم کا مخالف ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اور واقعہ یہی ہے کہ دعوت خواہ اسلام کی ہو یا کفر کی تنظیم دونوں کے لیے ناگزیر ہے۔ انسان چلنے کے لیے پاؤں اور کام کرنے کے لیے ہاتھ کا جس قدر محتاج ہے اس سے زیادہ دعوت اور دین کے کام کی کامیابی کے لیے تنظیم اور جماعت کا محتاج ہے۔ دنیا میں غلط اور صحیح ہر طرح کے نظریات اٹھتے رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض نظریات نے بڑے زبردست انقلابات پیدا کیے ہیں، لیکن پوری تاریخ میں کسی ایسے انقلاب کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی جو غیر منظم اور منتشر افراد کی کوششوں سے آیا ہو۔ اگر آپ مختلف نظریات کے آغاز اور ارتقاء کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ نظریات بالعموم افراد کے ذہنوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور افراد ہی لوگوں کو ان کی طرف دعوت دیتے ہیں، لیکن جب ان میں سے کسی نظریے سے کچھ لوگ اتفاق کر لیتے ہیں تو ان کی ایک تنظیم اور جماعت بن جاتی ہے۔ اگر کسی دعوت اور تحریک کے پیچھے مضبوط جماعت اور تنظیم نہ ہو تو اس کی آواز فضا میں تحلیل ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ وقت کے افکار و خیالات پر اپنا کوئی اثر چھوڑے بغیر ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ غلط نظریات کو بھی اگر پھیلانے اور منظم کرنے کی منظم کوشش کی جائے تو کامیاب ہو جاتے ہیں اور صحیح فکر بھی بعض اوقات اس وجہ غالب نہیں ہو پاتی کہ اس کو اچھی جماعت میسر نہیں تھی۔ تاریخ اسلام اور خصوصاً ابتدائے اسلام پر نظر ڈالنے سے بھی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

دعوت کا نبوی منہج:

ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت اور کام کرنے کا فرض کیسے انجام دیا اور اس کے لیے کیا صورت اختیار کی۔ کیونکہ اس دعوت کے لیے وہی طریقہ صحیح ہو سکتا ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا۔ تاریخ کے مطالعہ سے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طریقہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف اسلام کی دعوت دی اور دوسری طرف اس دعوت کو جن لوگوں نے قبول کیا ان کو جوڑ کر ایک امت بنائی۔ یہ دعوت جیسے جیسے پھیلتی گئی امت کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا۔ ابتداء میں یہ امت گنتی کے چند افراد پر مشتمل تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے آخری دور میں لاکھوں افراد امت کا حصہ بن چکے تھے۔ یہ امت اور جماعت قومی، نسلی اور ملکی بنیادوں پر وجود میں نہیں آئی، بلکہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرتا وہ بغیر کسی امتیاز کے اس کا فرد بن جاتا خواہ وہ غلام ہو یا آقا، قریشی ہو یا غیر قریشی، عربی ہو یا عجمی، ایرانی ہو یا رومی۔ اس میں شک نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں داخلہ کی کوئی فیس نہیں تھی، اس کے لیے کوئی فارم پُر نہیں کرنا پڑتا تھا اور اس کا کوئی خاص یونیفارم نہیں تھا، لیکن یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت غیر منظم اور منتشر تھی۔ ان چیزوں کے بغیر بھی ایک اعلیٰ درجے کی تنظیم اور جماعت وجود میں آسکتی ہے اور بعض اوقات ان کے ہوتے ہوئے بھی تنظیم کھوکھلی ہوتی ہے، لیکن یہ چیزیں بطور انتظامی امور کے ہیں جو وقت کی ضرورت ہے اور نظم کی بہتری کے لیے ہوتی ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اسلام کی دعوت کے لیے وجود میں آئی اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس کی رہنمائی فرماتے رہے تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں وہی شخص داخل ہوتا جو اس حقیقت کا دل سے اعتراف کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم واجب الاتباع ہے۔ اس طرح یہاں ایک ایسی امت و جماعت پیدا ہو رہی تھی جس میں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قیادت جمع ہو رہے تھے اور آپ کی ہدایت کے مطابق عمل کر رہے تھے۔ پھر اس امت اور جماعت میں اسلام سے شدید محبت تھی، اس کی تبلیغ کا بے پایاں جوش تھا، اس کو پھیلانے اور غالب کرنے کی انتہائی تڑپ تھی، ایثار و قربانی کا بے پناہ جذبہ تھا، سمع و طاعت اور نظم و ضبط کا زبردست مادہ تھا۔ غرض وہ تمام خصوصیات بدرجۂ اتم موجود تھیں جو کسی معیاری جماعت کے لیے مطلوب ہیں۔ ان خصوصیات نے پوری امت کو جسد واحد بنا دیا۔

نبوی ﷺ جماعت کے کمالات اور انقلاب کا اعجاز:

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قیادت جو جماعت وجود میں آئی اس کا کمال یہ ہے کہ اس میں صرف سیاسی انقلاب لانے ہی کی صلاحیت نہیں تھی، بلکہ وہ ایک فکری، نظریاتی اور تہذیبی انقلاب لانے میں بھی کامیاب رہی، کیونکہ اس انقلاب کے لیے جتنے اونچے درجے کے افراد مطلوب تھے، وہ سب اس تنظیم سے فراہم ہونے لگے اور زندگی کے کسی گوشے میں یہ محسوس نہیں ہوا کہ وہ اپنا فکر نافذ کرنے میں ناکام ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت غالب ہوئی تو معلوم ہوتا تھا کہ اس کے چلانے کے لیے پوری طرح تربیت یافتہ معلم، مدرس اور داعی بھی ہیں، قاضی اور جج بھی، خطیب اور شاعر بھی ہیں، گورنر اور حکام بھی، فوج اور اس کے سپہ سالار بھی، سفیر اور ترجمان بھی، سیاست دان اور حکمران بھی ہیں۔ غرض پوری جماعت ہے جو دعوت کی ہر ضرورت پوری کر سکتی ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ کیا یہ سب کچھ بغیر جماعت کے ہو رہا تھا۔۔۔؟ سو یہ ہے وہ طریقہ کار جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت کے لیے اختیار فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو امت ہر پہلو سے منظم اور متحد تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی امت کی یہ تنظیم باقی رہی اور اس نے اسلام کی زبردست خدمت کی، دور دراز ملکوں میں اسلام کی تبلیغ، دعوت اور اقامت کا فریضہ سر انجام دیا۔ اس کے لیے جہاد کیا۔ یہاں تک کہ متمدن دنیا کے ایک بڑے حصے میں اسلام کی حکومت قائم کر دی۔ یہ تھا دین کا کام اور دعوت و اقامت دین کے لیے جماعت کا عقلی اور تاریخی ثبوت۔ اب ہم قرآن و سنت کی روشنی میں دین کے لیے جماعت کی اہمیت اور ضرورت پر چند مثالیں اور دلائل غرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اُن لوگوں کا جواب بھی ہو جائے جو دعوت اور دین کے کام کے لیے تنظیم سازی کو کتاب و سنت سے غیر ثابت قرار دیتے ہیں اور دوسرے عام مسلمانوں کی افادیت کی خاطر بھی تاکہ مسئلہ اور بھی واضح ہو جائے۔

قرآن و حدیث نے بالکل واضح الفاظ میں مسلمانوں کو نظم و اتحاد کا حکم دیا ہے اور افتراق و انتشار سے روکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ [عمران: ۱۰۳]

"سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور الگ الگ نہ ہو جاؤ"۔

اور مزید فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ۔ [انعام: ۱۹]

"اور نہ چلو کئی راہوں پر وہ تم کو ہٹا دیں گی اللہ کی راہ سے"۔

حدیث پاک میں بھی ہے:

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةِ [ترمذی]

"جماعت کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور انتشار سے بچو"۔

اس سے واضح ہو گیا کہ جماعت کی تشکیل و تنظیم قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

دعوت اور جماعت:

اس طرح قرآن پاک میں ہمیں امت کے لقب سے نوازا گیا ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ [عمران: ۱۱۰]

"تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدہ کے لیے نکالے گئے ہو"۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔ [بقرہ: ۱۴۳]

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت قرار دیا ہے"۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ مسلمان ایک امت ہیں۔ ایسی امت کہ جس کو پہلی آیت میں خیرِ امت اور دوسری آیت میں اُمت وسط کا خطاب دیا گیا ہے۔ امت کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمان ایک شیرازے میں بندھے ہوئے ہیں اور ان کی زندگی منظم اجتماعی زندگی ہے، کیونکہ امت منتشر اور بے جوڑ افراد کا نام نہیں، بلکہ یہ لفظ ایک ایسی جماعت کے لیے بولا جاتا ہے جس کو کسی مقصد نے ایک مرکز پر جمع کیا ہو۔ قرآن کے الفاظ میں دنیا کی یہ بہترین اور عدل پر ور امت جس مقصد کے لیے وجود میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کو معروف کا حکم دے اور منکر سے منع کرے اور ان کے درمیان اللہ کے دین کی شہادت دے۔ اسی کو ہم سادہ الفاظ میں اسلام کی

دعوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسلام کی دعوت کے لیے ایک امت کی تیاری اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کام جماعت اور نظم چاہتا ہے، کیونکہ کسی بھی مقصد کے لیے تنظیم اُسی وقت وجود میں آتی ہے جب کہ اس کی تکمیل کے لیے تنظیم کو ضروری سمجھا جائے۔ جو کام انفرادی طور پر پورا ہو سکتا ہے اس کے لیے جماعت کبھی وجود میں نہیں آتی۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اسلام کی دعوت کے لیے تنظیم کی مخالفت کرنا چاہے تو اُسے ثابت کرنا ہوگا کہ اس کام کے لیے ایک امت کیوں کھڑی کی گئی ہے اور صرف افراد کو کیوں نہیں اس کا حکم دیا گیا اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام انفرادی طور پر ممکن ہے وہ عقل و شعور سے کام نہیں لے رہیں۔

ہجرت و جہاد کے لیے التزامِ جماعت:

ہجرت اور جہاد کے لیے بھی جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ یہ فرائض ایک منظم اور متحد جماعت کے بغیر ادا نہیں کیے جا سکتے۔ کیا کوئی شخص اپنی انفرادی حیثیت سے معنی خیز دعوت اور ہجرت و جہاد کا حق ادا کر سکتا ہے؟ اگرچہ ایک آدمی اپنے نفس امارہ کے خلاف تو جہاد مع النفس اور کشمکش تنہا کر سکتا ہے، لیکن کیا اللہ کے دین کی امامت اس طرح ممکن ہے؟ کیا کوئی فرد اپنی ذاتی حیثیت میں اتنا طاقتور ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام کو بطور نظام اور شریعت کو بطور قانون محض اپنے زور بازو سے نافذ کر سکے؟ ظاہر ہے کہ ان سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ لہٰذا اگر حقیقی دعوت، معاشرہ کی اصلاح، ہجرت و جہاد اور اقامتِ دین و نظام شریعت کا حق ادا کرنا ہے تو یہ کام منظم جماعت کے بغیر نا ممکن ہے۔ اگر یہ کام فرض ہے تو یہ فرض ایک منظم جماعت کے بغیر محض انفرادی طور پر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے ایک جماعت کا ہونا لازم ہے۔

جہاد کے لیے جماعت اور امیر کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جس پر قرآن پاک میں بنی اسرائیل کا حال شاہد ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب جبارین کے مقابلے میں جہاد کرنے سے انکار کیا تو جماعت نہ ہونے کی وجہ سے جہاد نہ ہو سکا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِي وَ اَخِي" اے اللہ اگر جہاد بغیر جماعت کے ہو سکتا ہے تو میں اور میرا بھائی تو حاضر ہیں، لیکن کیا کریں قوم ساتھ نہیں دے رہی اور جماعت ہے ہی نہیں۔

اس طرح جالوت سے مقابلے میں بھی بنی اسرائیل نے جہاد کرنے کے لیے امیر اور جماعت کا مطالبہ کیا تھا جس کے جواب میں اللہ اور اس وقت کے نبی نے طالوت کو امیر مقرر کر کے جماعت تیار کی اور جہاد کے لیے نکلے، تب اللہ تعالیٰ نے کفار کے مقابلے میں اس جمعیت کو فتح دی۔ اسلام کی خاطر جتنا جہاد کیا گیا ہر معرکہ میں امیر کی تقرری اور نظم جماعت کا خیال رکھا گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس جہاد اور غزوہ میں بھی موجود ہوتے خود اس کی امارت و قیادت فرماتے تھے اور جہاد کی کمانڈ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوتی۔ اور جس جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک نہ ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے نظم بنا کر امیر مقرر فرماتے رہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کفر و شرک کے لیے لڑنے والے تو منظم ہوں اور اسلام کے جانباز اپنی قوتوں کو یکجا نہ کریں اور حالتِ انتشار میں پڑے رہیں۔ قرآن تو صاف کہتا ہے کہ جس طرح کفر اور شرک اسلام کے خلاف متحد ہیں اسی طرح مسلمانوں کو بھی متحد ہو کر ان سے نبرد آزما ہونا چاہیے۔ لہٰذا فرمایا

قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً۔ [توبہ: ۳۶]

"مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں"۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے الفاظ سے ان کا جو منشاء ہمارے سامنے آتا ہے تو وہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد و تنظیم ہو اور یہ اسلام کی دعوت اور جہاد کے لیے ہو۔

ضرورت جماعت اور اولوالعزم انبیاء کرام علیہ السلام کے احوال:

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اسلام کے اجتماعی کام جہاد، انقلاب، غلبہ دین اور نفاذ و اقامت دین جماعت کے بغیر ناممکن ہیں، البتہ بعض انفرادی کام مثلاً عبادت، تعلیم و تعلم، تربیت و تزکیہ اور کچھ نہ کچھ دعوت ہو سکتی ہے۔ اس بات کی وضاحت قرآن پاک میں اولوالعزم انبیاء علیہم السلام حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات سے بآسانی ہو سکتا ہے۔ سورۃ شوریٰ آیت ۱۳ میں ان پانچ حضرات انبیاء علیہم السلام کا بیان ایک ہی جگہ پر ترتیب کے ساتھ کیا گیا ہے جس میں

نوح علیہ السلام اول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں اور باقی تین انبیاء کا تذکرہ زمانی ترتیب سے درمیان میں کیا گیا ہے جس میں ایک عجیب نقشہ سامنے آتا ہے حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس مختلف طور طریقوں سے دعوت و تبلیغ کرتے رہے، خود نوح علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ قوم کی حالت پر حسرت کرتے ہوئے فرمایا۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا۔ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا۔ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا۔ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا۔ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا۔ [سورۃ نوح: ۵۔۹]

"اور نوح علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو دن رات پکارا، پس میری دعوت سے وہ مزید بھاگنے لگے اور جب میں اُن کو دعوت دیتا تاکہ تو اُن کی بخشش کرے تو وہ اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں رکھ دیتے اور اپنے اوپر چادر اوڑھ لیتے اور ہمیشہ تکبر کرتے رہے، پھر میں نے اونچی آواز میں اُن کو پکارا اور پھر علانیہ اور آہستہ دعوت دی"۔

لیکن قوم ضدی اور عنادی تھی، مردہ ہو چکی تھی اس لیے نوح علیہ السلام کی دعوت توحید کو قبول نہیں کیا، اس سے اعراض وانکار کیا ساڑھے نو سو برس کی دعوت و تبلیغ کا نتیجہ قوم کی طرف سے یہ آیا ہے:

وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ [ھود: ۴۰]

"اور تھوڑے ہی لوگ تھے جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے"۔

قرآن پاک میں تدبر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تھوڑے لوگ بھی آپ کے گھر والے ہی تھے۔ اس میں بھی ایک بیٹا کنعان اور ایک بیوی نے دعوت حق قبول نہیں کی تھی، ممکن ہے کہ چند انگلیوں پر گنے جانے والے اور لوگ بھی ایمان لائے ہوں۔ بہر حال ساتھی نہ ملے، جمعیت فراہم نہیں ہوئی تو اگلا قدم کیسے اٹھتا، اعوان وانصار نہ ہوں تو اگلی منزل کی طرف پیش رفت کیسے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جہاں بھی حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہے وہاں نوح علیہ السلام کی دعوت کا ایک ہی انداز ہے، ایک ہی پیغام ہے ایک ہی مسئلہ ہے کہ:

يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ

"اے قوم تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا نہیں" وغیرہ۔

نہ نماز کی بات، نہ زکوٰۃ کا حکم نہ جہاد کی فرضیت، یہ کیوں؟ اس کی بس دو وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ جب تک عقیدہ نہ بنا ہو اس وقت تک دوسرے حکم کی ضرورت ہی نہیں اور نہ عقیدہ توحید کے بغیر کوئی دوسرا عمل اللہ کے ہاں قابل قبول ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگلا قدم تو آدمی تب اٹھا سکتا ہے کہ معاشرہ ساتھ دے، اعوان وانصار ساتھ ہوں، جماعت ہو، تب جا کے اگلا قدم اٹھے گا۔ قوم اور معاشرہ مر چکا تھا، حق قبول کرنے کی صلاحیت ان سے معدوم ہو چکی تھی، تو کوئی مثبت جواب نہیں ملا، جماعت کے ایسے ساتھی میسر نہ آئے جس کی بدولت اگلا قدم اٹھاتے، تو ایسی حالت میں اگلا قدم اٹھانے اور اگلی منزل کی طرف پیش رفت کرنے کا موقع ہی نہیں ملا، لیکن اس کی کوئی ذمہ داری حضرت نوح علیہ السلام پر نہیں تھی، وہ ان سے بری الذمہ تھے ان کے ثبات اور استقامت اور کامیابی کے لیے بس یہی کافی ہے کہ وہی دعوت آخری انس تک ساڑھ نو سو برس دیتے رہے اور اسی میں ساری عمر گزار دی اور اپنے فرض کو ادا کر دیا۔ اس میں حضرت نوح علیہ السلام کے ناکامی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ علیہ السلام کی دعوت پر تو پھر بھی چند لوگ ایمان لے آئے اگر کوئی بھی ایمان نہ لاتا تب بھی نوح علیہ السلام اپنی دیوٹی میں کامیاب ہوتے، کیونکہ انہوں نے تو اپنا کام پورا کیا تھا۔ اس لیے اگر ایک مخلص شخص اور داعی اپنی پوری زندگی اس کام میں لگا دے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو اور کامیاب ہوگا۔ اگر ناکامی ہے تو معاشرہ کی ہے قوم کی ہے۔ اس کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ ہے کہ کل تئیس سال میں دعوت و تبلیغ بھی ہو گئی، تنظیم و تزکیہ وتربیت بھی ہو گئی، صبر و استقامت کا مرحلہ بھی گزر گیا، اقدام اور مسلح جہاد بھی ہو گیا، مکہ اور حنین کی کامیابی سے جزیرہ عرب تک انقلاب اسلامی کی تکمیل ہو گئی اور اس کے بعد عجم تک یہ انقلاب پھیل گیا۔ دین اور قرآن کا بالفعل قیام و نفاذ بھی ہوا۔ اگر بالفرض حضرت نوح علیہ السلام کی طرح حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکیلے رہ جاتے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

بھی وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ والا معاملہ ہوتا تو کیا اس عالمِ اسباب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیازی فرض، مذہبی اظہار اور اقامت دین کو ادا کر سکتے تھے؟ نہیں ہر گز نہیں۔ اب حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور ان کے کام کے درمیان مابہ الامتیاز اور فیصلہ کن چیز کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ، وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔

[فتح: ۲۸۔۲۹]

"وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں"۔

یہ وہ امتیازی فرق ہے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مذکورہ اعلیٰ صفات والے جانثاروں اور سرفروشوں کی جماعت اور قوت ملی جن کے ساتھ مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس امتیازی منصبِ رسالت کو ادا فرمایا اور اولاً جزیرہ نما عرب پر بیس سال کی مدت میں اور پھر باقی دنیا پر آپ علیہ السلام کی زندگی میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور خلفاء راشدین کے دور میں اللہ کا دین تمام ہوا، اس کا بالفعل قیام و نفاذ ہو گیا۔ ایک دوسری جگہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور کامیابی کی وجہ نصرتِ الٰہی اور جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی حمایت ٹھہرائی ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ [انفال: ۶۲]

"اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) کی جماعت سے تم کو مضبوط کر دیا"۔

ان اولو العزم انبیاء کے وسط میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ ہے کہ ان کی دعوت پر ایک قوم بنی اسرائیل تیار ہوئی اگرچہ ان کی جمعیت تو بہت بڑی تھی، لیکن بودی، اور کچے لوگ تھے۔ آپ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ مصر میں دعوت و تبلیغ اور بنی اسرائیل کی تربیت و تزکیہ میں ہمہ تن لگے رہے حتیٰ کہ فرعون سے تنگ آکر ہجرت کا موقع آیا تو بنی اسرائیل کی یہ بڑی جماعت بھی ساتھ تھی، صحرائے سینا میں قیام کے دوران جب آخری مرحلہ دین کے قیام، اظہار، غلبہ اور نفاذ کے لیے قتال کا پیش آیا، جب جان نقد ہتھیلی پر رکھ کر میدان قتال میں آنے کا وقت آیا تو قوم نے صاف جواب دیا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ [مائدہ:۲۰]

”تو جا اور تمہارا رب جائے اور کافروں سے قتال کرے، ہم تو یہی بیٹھے رہیں گے“۔

نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ارض مقدس جو انہیں دی جا چکی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی بزدلی کی پاداش میں چالیس برس تک ان پر حرام کر دی انقلابی عمل وہیں رک گیا۔ اگر اقامت دین اور جہاد کا کام اجتماعی قوت اور منظم جماعت کے بغیر ممکن ہوتا تو اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے ہاتھوں سے تکمیل پاتا۔ یہ دونوں حضرات اپنی آنکھوں سے اس حیاتِ دنیوی میں اپنی اس جدوجہد کو اس مقام پر پہنچا نہ دیکھ سکے کہ اللہ کا دین بالفعل خطۂ ارض میں قائم اور نافذ ہو جائے۔

جبکہ اس کے برعکس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) ایسی نہ تھی انہوں نے دعوت الی اللہ، اعلائے کلمتہ اللہ کی اشاعت اور اقامت دین کے لیے شدائد و مصائب، فقر و فاقہ، کشمکش و تصادم، جہاد و قتال کے مراحل میں جان نثاری، قربانی و ایثار، صبر و تحمل اور استقامت کی وہ مثالیں قائم کیں کہ جن کی نظیر تاریخ آج تک پیش کر سکی ہے اور نہ آئندہ پیش کر سکے گی۔ غزوۂ بدر سے قبل ایک مشاورت میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہم سے کیا پوچھ رہے ہیں بسم اللہ کیجیے جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ہو پورا

کیجیے ۔ کیا عجب کہ اللہ ہمارے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمادے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں پر قیاس نہ فرمایئے جنھوں نے کہا تھا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ [مائدہ:۲۰]

"پس تم جاؤ اور تمہارا رب جائے اور دونوں جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔"

جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ گرے گا وہاں اپنا خون بہانا ہمارے لیے سعادت کی بات ہو گی۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جو کہہ رہے ہیں کہ حضور! آپ ہم سے کیا مشورہ لے رہے ہیں "اِنَّا اٰمَنَّا بِكَ وَصَدَّقْنَاكَ" ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر چکے ہیں، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول تسلیم کر چکے ہیں، اب اللہ کی قسم اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیں گے تو ہم اپنی سواریاں سمندر میں ڈال دیں گے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیں گے تو ہم اپنی اونٹنیوں کو دبلا کر دیں گے اور برگ غماد (عرب کا ایک دور دراز علاقہ ہے جس کی راہ میں لق و دق صحرا پڑتا ہے) تک جا پہنچیں گے۔ یہ ہے وہ فیصلہ کن اور مابہ الامتیاز بات کہ اگر جماعت میں بنیان مرصوص کی کیفیت نہ ہو، اس میں سمع وطاعت کا وصف و جوہر نہ ہو، اس میں نظم و ضبط نہ ہو، وہ تربیت یافتہ نہ ہو، اس کو اللہ کی رضا ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہو، اس کو زندہ رہنے سے زیادہ اللہ کی راہ میں جان دینا عزیز نہ ہو تو اگلی منزلوں کی طرف پیش رفت اور پیش قدمی کے مراحل آئیں گے ہی نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّار" کے دونوں صفات جمع ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت کا پہلا وصف "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّار" کا حال یہ تھا کہ عام دشمنانِ اسلام تو کجا یہاں تو بیٹے کی تلوار باپ کے خلاف نیام سے باہر نکلنے کے لیے بے تاب ہے۔ غزوۂ بدر میں مشرکین کی طرف سے عتبہ ابن ربیعہ، اس کے بیٹے اور ایک بھائی نے جب مبارزت طلب کی تو مسلمانوں کے لشکر کی طرف سے پہلے عتبہ کے بیٹے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مقابلے میں نکلے۔ یہی معاملہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ

عنہ کے ساتھ پیش آیا اور بدر کے مشرک قیدیوں کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ یہ دیا تھا کہ ہر قیدی اپنے اپنے رشتہ دار صحابی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دے اور وہ اپنا مشرک رشتہ دار خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دے۔ یہ ہے أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کی تصویر۔ اور اگر "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کی تصویر دیکھنا ہو تو اس مواخات کو دیکھو جو مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھی۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے یہاں تک پیش کش کی تھی کہ ان دو بیویوں میں سے جو مہاجر بھائی کو پسند ہو، میں اس کو طلاق دیتا ہوں اور وہ اس سے نکاح کر لیں۔ اسی طرح جنگِ یرموک میں تین زخمیوں کو پانی کی ضرورت پیش آنے کا واقعہ مشہور ہے جن میں ہر ایک نے اپنی جان پر دوسرے کو ترجیح دی اور یکے بعد دیگرے یہ تینوں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہ تھی قربانی اور ایثار، یہ تھا "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کا نقشہ اور کامل عکاسی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال بھی قرآن پاک سے جماعت کی ضرورت کے بارے میں سمجھنا ضروری ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد ابتدا میں نبوت کا منصبی کام اور دعوت شروع کرتے وقت تنہا ہی تعمیلِ حکم کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ پہلے سے کسی پارٹی یا جماعت بنانے کی فکر میں نہیں پڑے، لیکن جب یہود کی ہٹ دھرمی، ضد اور مخالفت حد تک پہنچ گئی۔ اکثریت ماننے سے انکار کرنے لگی، تو تب آپ کو جماعت کی ضرورت محسوس ہوئی جیسا کہ ارشاد باری ہے

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ [آل عمران: ۵۲]

"اور جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے کفر کو محسوس کیا تو فرمایا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے میری مدد کرے گا، تو حواریوں نے اعلان کیا ہم اللہ تعالی کے دین کی مدد کریں گے، ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں"۔

جب عیسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کا کفر اور مخالفت محسوس ہوئی تو اس وقت جماعت اور مددگاروں کی تلاش کرنے لگے اور اعلان کیا کہ دینِ حق کی حمایت اور کفر کے مقابلے میں تم میں سے کوئی ایسے آدمی بھی ہیں جو میرے ساتھ جماعت بن کر میرے اس کام میں یار و مددگار بنیں تو اس پر چند مخلص لوگ (حواریین) نے اللہ کے دین کے لیے ساتھ دینے پر تیار ہوئے اور اس حق کے لیے کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ ہم اللہ کے دین توحید پر ایمان لے آئے اور اے عیسیٰ علیہ السلام تم گواہ رہو کہ ہم مسلمانوں کی جماعت میں سے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا حال:

اسی طرح ایک اور پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ بھی قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی قوم میں شرک کے ساتھ ساتھ امرد پرستی کا مرض بھی تھا۔ آپ نے قوم کو بہت سمجھایا، دعوت دی، لیکن قوم اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔ قوم کی سرکشی جب حد سے گزر گئی اور آپ علیہ السلام اُن کے مقابلے سے عاجز ہوئے تو آپ علیہ السلام نے اس وقت ایک مضبوط جماعت کی آرزو کی۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

قَالَ لَوۡ أَنَّ لِى بِكُمۡ قُوَّةً أَوۡ آوِىٓ إِلَىٰ رُكۡنٍ شَدِيدٍ [ھود: ۸۰]

"کہ کاش! اگر میرے پاس ایک مضبوط جماعت ہوتی تو تم حد سے نہ گزرتے اور میں اس جماعت کی حمایت تعاون سے تمہارا مقابلہ کرتا"۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ لوط علیہ السلام کے اس آہ و زاری اور آرزو کے بعد اللہ نے پھر کبھی کسی پیغمبر کو کمزور قوم میں نہیں بھیجا۔ پس معلوم ہوا کہ اشاعت دین، اقامت دین، اصلاح معاشرہ اور غلبہ دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ٹھیک اسلامی اصول پر مبنی ایک منظّم جماعت ناگزیر اور ضروری ہے۔

نماز اور دیگر عبادت سے اجتماعیت کا سبق:

ہمارے دین میں ایمان اور عقیدے کی درستگی کے بعد عبادات میں پہلا نماز کا حکم ہے اور پھر مردوں کے لیے فرض نمازیں باجماعت ادا کرنا لازم کیا گیا ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی

حقیقی اور شرعی عذر لاحق ہو۔ جماعت کی شکل میں نماز ادا کرنا دراصل اس امر کی ایک علامت اور سبق ہے کہ اسلام تمام معاملات میں ایک طرح عمومی نظم اور جماعت چاہتا ہے۔ باجماعت نماز میں کیا ہوتا ہے؟ ایک امیر امام کی شکل میں جس کی تمام نمازیوں کو پیروی اور تابعداری کرنی ہوتی ہے۔ ایک امیر جماعت (امام) کی تکبیر پر تمام اتفاق و اتحاد سے جماعت کی شکل میں اٹھتے بیٹھتے اور اللہ کے ہاں جھکتے ہیں۔ کسی نمازی کو اجازت نہیں کہ وہ نماز کا کوئی رکن امام سے پہلے ادا کرلے۔ اگر کوئی شخص امام سے پہلے سر سجدے سے اٹھالے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

انتہا یہ ہے کہ امام نماز پڑھانے میں کوئی غلطی کر بیٹھتا ہے تو آپ کو اس کی اجازت تو ضرورت ہے کہ سبحان اللہ کہہ کر اسے متوجہ کریں، لیکن اگر وہ اپنی غلطی پر قائم رہتا ہے تو آپ کو جماعت چھوڑ دینے کی ہرگز اجازت نہیں۔ اس طرح جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اکیلے نماز سے ۲۰، ۲۵ یا ۲۷ درجہ افضل ہے۔ اگر ایک بزرگ، ولی، شیخ التفسیر، شیخ الحدیث، علامہ، مفتی اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو باوجود اس علم اور بزرگی کے اسے صرف ایک ہی درجہ ثواب ملے گا، جبکہ دوسری طرف اس کی نسبت کم علم اور تقویٰ والا باجماعت نماز پڑھتا ہے تو اسے ۲۵ یا ۲۷ درجے اجر ملتا ہے۔ یہ کیوں؟ اصل میں یہ جماعت ہے جس کی بدولت ایک عمل کا اجر دوگنا ہوتا ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ اور عیدین کی نمازیں تو بغیر جماعت کے ادا نہیں ہو سکتیں۔ صرف ایک مسلمان پر سال کے کسی مہینے میں ایک ماہ کے روزے فرض نہیں کیے گئے بلکہ پوری امت کے لیے ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تاکہ اجتماعیت کی شان قائم رہے اور حج تو ہے ہی سراسر اجتماعی عبادت۔ یہ ہے ہمارے دین کے احکام میں اجتماعیت کی اہمیت اور اس کے لزوم کا انتظام۔ یہ تمام معروضات آپ پورے کے پورے تنظیم پر منطبق کر سکتے ہیں۔

گھریلو تنظیم:

اسلام کے سماجی نظام کو لیجیے۔ بیوی اور شوہر کے درمیان نکاح کا بندھن ایک چھوٹی سی تنظیم ہے۔ نکاح کیا ہے؟ ایک عورت اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ وہ شریعت کے دائرے کے اندر اندر اپنے شوہر کی اطاعت کرے گی اور اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کرتی ہے اور ایک مرد

اس پیشکش کو قبول کرتا ہے اس طرح نکاح منعقد ہو جاتی ہے، غور کیجیے کہ فی الواقع اگر آپ کو ایک مضبوط اور صحت مند خاندانی نظام تشکیل دینا ہے، تو یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اطاعت فی المعروف اور نظم کو بھرپور طریقے سے قائم کیا جائے، اسی لیے اسلام نے بیوی پر لازم کیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے اختلاف کر سکتی ہے، اس کی رائے کے خلاف بولنے کی کوشش تو کر سکتی ہے، اپنے شوہر کو مشورہ یا تجویز دے سکتی ہے، دلائل کے ذریعے بات کر سکتی ہے یا استدعا اور درخواست کر سکتی ہے، لیکن اگر وہ اپنے شوہر کی اطاعت پر کاربند نہیں تو یہ رویہ اسلامی تعلیمات کے منافی سمجھا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ سورۃ مجادلہ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے درمیان چپقلش اور اس چھوٹی سی تنظیم میں خرابی پیدا ہونے پر تنبیہ فرمائی اور اس کی اصلاح کی، تو جس طرح اندرون خانہ شوہر بیوی، بچوں کی یہ چھوٹی سی تنظیم ہوتی ہے اسی طرح معاشرے میں بڑی سطح پر بھی ایک جماعت اور تنظیم ہونی چاہیے جو معاشرے کی اصلاح کا کام کرے۔

شہد کی مکھی اور نظم جماعت:

قرآن پاک کی سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی اور اس سے پیدا ہونے والے شہد کا تذکرہ کیا ہے۔ اس میں بھی ہمارے لیے عبرت اور بڑا سبق ہے۔ شہد اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس میں شفا ہے۔ مگر شہد کی تیاری ایک بے حد محنت طلب کام ہے۔ آدھے کلو کے قریب شہد تیار کرنے کے لیے شہد کی مکھیوں کو میلوں تک کا سفر طے کرنا پڑتا ہے۔ ایک مکھی کی عمر چند مہینے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس لیے کوئی ایک مکھی تنہا آدھا کلو شہد تیار نہیں کر سکتی، خواہ وہ اپنی عمر کا ہر لمحہ پھولوں کا رس جمع کرنے میں لگا دے۔ یہ مشکل کیسے آسان ہوئی؟ مکھیوں نے مل کر، ایک ہو کر، شہد بنایا اس کی اصل وجہ ان مکھیوں کے درمیان تنظیم اور اطاعت امیر ہے، جس کی بدولت ان کی یہ محنت اور کام بار آور ہے۔ ہمارے شیخ امام انقلاب قرآنی شیخ القرآن علامہ محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت یہی فرمایا کرتے تھے کہ شہد کی مکھیوں کا ایک عجیب نظم ہوتا ہے ان میں ایک ملکہ (امیر) ہوتی ہے، جب وہ کسی جگہ کو پسند کر

کے بیٹھ جاتی ہے تو باقی تمام مکھیاں اُن کی تابعداری کرتے ہوئے وہیں بیٹھ کر شہد بنانے لگتی ہیں۔ان میں امیر کی اتنی اطاعت اور نظم کی اتنی زیادہ پابندی ہے کہ ملکہ اپنی جگہ بیٹھی رہتی ہے اور باقی مکھیاں پھولوں پھلوں پر بیٹھ کر اسکے رس چوس کر لاتی ہیں، تو ملکہ پابندی سے ہر ایک کی منہ سونگھتی ہے کہ کہیں کوئی مکھی کسی بے کار اور شہد خراب کرنے والی چیز منہ میں اٹھا کر تو نہیں لائی ہے اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ ملکہ اس کو اندر نہیں جانے دیتی، بلکہ اسے مار ڈالتی ہے، کیونکہ اس نے نظم اور اصول کے خلاف کام کیا ہوتا ہے۔ شہد کی مکھیوں کی اس منظم جدوجہد اور اطاعت امیر ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کا تھوڑا تھوڑا شہد تنظیم کی بدولت ہزاروں، لاکھوں انسانوں کے لیے خوراک اور شفاء بن جاتا ہے۔ شہد کی تیاری کو اللہ تعالیٰ نے ایک بے حد وسیع اور پیچیدہ نظام سے وابستہ کر رکھا ہے۔ اس حیرت انگیز نظام کے اندر انسان کے لیے بے شمار سبق ہیں۔ ایک بڑا سبق تنظیم اور جماعتی شکل میں کام کرنے کا ہے۔ اسی طرح اگر انسان بھی ہر کام منصوبہ بندی اور نظم سے کرے گا، تو اس کا کام اور جدوجہد بھی بار آور ہو کر انسانیت کی اصلاح کا ذریعہ بن سکتا ہے اور یہی "یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ" کا مفہوم ہے۔

بھیڑ بکریوں کا ریوڑ اور اہمیت جماعت:

شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ دوسری مثال یہ دیتے تھے کہ آپ نے بھیڑ بکریوں کا ریوڑ دیکھا ہوگا، جبکہ گدھوں کا ریوڑ آج تک کسی نے نہیں دیکھا ہے، یہ کیوں؟ اس لیے کہ بھیڑ بکریوں میں نظم او تنظیم ہے جس کی بدولت ان کا ریوڑ قائم ہے اور گدھوں کی جماعت ہیں، نظم نہیں اس لیے آج تک کسی نے بھی گدھوں کو جماعت کی شکل میں جاتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔ اور بے اتفاقی کا یہ علم ہے کہ اگر کسی جگہ کئی گدھے جمع ہوں اور کوئی ایک گدھے کو ضرب لگائے، تو بے اتفاق کی وجہ سے تمام گدھے تتر بتر ہو کر بھاگ جاتے ہیں۔ یہی حال اُن لوگوں کا بھی ہے جن کی نظم اور جماعت نہیں ہوتی اور بے اتفاق ہوتے ہیں۔ بھیڑ بکریوں کا ریوڑ بھی سبق آموز ہے ان کا امیر چرواہا ہوتا ہے وہ آگے اور تمام ریوڑ جماعت اور نظم کی شکل میں اس کے پیچھے رہتے ہیں اور اپنی نظم اور اجتماعیت کی وجہ سے بھیڑیا ان پر حملہ بھی نہیں کر سکتا۔

ہاں اگر کوئی بھیڑیا بکری ریوڑ سے جدا ہوتا ہے تو بھیڑیا اس کو اکیلا پا کر اسے اپنا نوالہ بنالیتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک انسان خصوصاً موحد مسلمان ایک جماعت کی نظم میں جکڑی زندگی گزارتا ہے تو وہ شیطان کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے اور اگر نظم جماعت سے الگ تھلگ رہ کر زندگی گزارتا ہے تو شیطان کے حملوں کا شکار بن کر رہ جاتا ہے۔ اسی مضمون کو تقریباً حدیث شریف میں کچھ یوں بیان کیا گیا ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قال رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاةَ الْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ وَإِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ۔ [مشکوٰۃ کتاب الایمان]

"یقیناً شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جس طرح بکری کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ اس بکری کو اٹھالے جاتا ہے جو ریوڑ سے بھاگ نکلی ہو یا ریوڑ سے دور چلی گئی ہو یا ریوڑ کے کنارے پر ہو اور تم پہاڑ کی گھاٹیوں (جماعت سے دور رہنے) سے بچو۔ نیز جماعت اور مجمع کے ساتھ لگے رہو"۔

اس حدیث میں جماعت سے علیحدہ رہنے یا کنارہ کش ہونے والے آدمی کی مثال اُس بکری سے دی گئی ہے، جو اپنے ریوڑ سے جدا اور علیحدہ ہو جاتی ہے تو پھر اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ بھیڑیا اسے کھا جاتا ہے۔ اسی طرح جماعت سے علیحدہ اور کنارہ کش آدمی بھی شیطان کے نرغے میں آجاتا ہے اور اس سے نہیں بچ سکتا۔ اسی طرح ایک دوسری روایت میں جماعت سے دور رہنے کا نقصان اور جماعت پر جمے رہنے کا فائدہ بیان کیا ہے:

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ۔ [ترمذی]

"تم پر جماعت کی شکل میں رہنا ضروری ہے اور تن تنہا مت رہو اس لیے کہ اکیلے شخص کا ساتھی شیطان بن جاتا ہے، لیکن اگر دو مسلمان ساتھ (جماعتی شکل میں) رہیں تو شیطان ان سے دور رہتا ہے"۔

سفر میں بھی جماعت اور امیر ضروری ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم بھی دی ہے کہ اگر دو تین افراد بھی اکٹھے سفر کر رہے ہوں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے میں سے زیادہ تجربہ کار اور باعلم شخص کو امیر مقرر کر لیں، جو دوسرے مسافر کی رہنمائی کرے۔ اسی طرح اگر دو افراد ساتھ ہوں اور نماز ادا کرنے کا موقع آجائے تو انہی میں سے ایک کو امام بن جانا چاہیے اور دوسرے کو مقتدی۔ اسی طرح کوئی اور ضرورت پیش آجائے تو وہاں بھی کام آئے گا۔

لہٰذا فرمایا:

عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِي رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ. [ابوداؤد]

"جب تین آدمی سفر کے لیے نکلیں تو ان میں سے ایک کو ضرور امیر ہونا چاہیے"۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْن عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةٍ يَكُوْنُوْنَ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ إِلَّا أَمَّرُوْا عَلَيْهِمْ أَحَدَهُمْ۔ [مسند احمد]

"جائز نہیں یہ بات کہ تین آدمی کسی جنگل صحرا میں ہوں اور وہ اپنے اوپر اپنوں میں سے ایک کو امیر نہ بنالیں"۔

اگر سوچا جائے تو سفر ایک ہنگامی حالت ہے جو کبھی کبھار ہی پیش آتی ہے، اس میں بھی بغیر جماعت اور امیر کے رہنا ناجائز قرار دیا گیا ہے تو معاشرہ میں زندگی گزارنا، دین کا کام کرنا کیسے بغیر جماعت اور بغیر امیر کے جائز اور مفید ہو سکے گا۔

جماعت رحمت اور سبب دخول جنت ہے:

مسلمانوں کا جماعتی شکل میں زندگی گزارنا رحمت اور دنیا اور دنیا میں بہت زیادہ فوائد اور خیر کثیر کا ذریعہ اور آخرت میں دخولِ جنت کا وسیلہ ہے، جبکہ تفرقہ، جماعت سے علیحدگی غضب الٰہی اور عذاب الٰہی کا سبب ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

اَلْجَمَاعَةُ رَحْمَةٌ وَّالْفُرْقَةُ عَذَابٌ [مسند احمد ۲۷۸، کنز العمال]

"جماعت (کی شکل میں رہنا اللہ تعالیٰ) کی رحمت ہے اور (جماعت سے) علیحدگی عذاب ہے۔"

اور ارشاد ہے:

مَنْ اَرَادَ بِحُبُوْحَةِ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ [ترمذی مسند احمد]

"جو جنت کے درمیان جانا چاہے وہ جماعت کے ساتھ چمٹ جائے، جماعت کے ساتھ رہنے کا التزام کرے"۔

جماعت لازم اور اس کے بغیر زندگی جاہلیت ہے:

زندگی کے صحیح اسلامی ہونے کے لیے سب سے مقدم چیز اسلام کے نصب العین یعنی دعوت دین اور اقامت دین سے وابستگی ہے۔ پھر اس وابستگی کا تقاضا ہے کہ آدمی اس نصب العین کے لیے جدوجہد کرے اور جدوجہد اجتماعی طاقت کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا جماعت کے بغیر کسی زندگی کو صحیح اسلامی زندگی سمجھنا بالکل غلط ہے۔ ہم ایسی زندگی کو کم از کم نیم جاہلیت کی زندگی سمجھتے ہیں۔ حدیث میں بھی جماعت کے بغیر زندگی کو جاہلیت کی زندگی اور جماعت سے علیحدہ ہو کر رہنے کو اسلام سے علیحدگی کے ہم معنی قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :وَأَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اللهُ أَمَرَنِي بِهِنَّ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَالْجِهَادُ وَالْهِجْرَةُ وَالْجَمَاعَةُ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يَرْجِعَ وَمَنْ ادَّعَى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُثَا جَهَنَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ قَالَ: وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ۔ [احمد و حاکم]

"میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ ۱۔ جماعت۔ ۲۔ سمع۔ ۳۔ اطاعت۔ ۴۔ ہجرت۔ ۵۔ اللہ کی راہ میں جہاد۔ پس جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی نکل گیا۔ اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکا الا یہ کہ وہ پھر جماعت کی طرف پلٹ آئے اور جس نے جاہلیت (جماعت میں افتراق وانتشار) کی دعوت دی وہ جہنمی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے دریافت کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد ہے:

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يَرْجِعَ۔

[مشکوٰۃ رواہ احمد وابو داؤد]

"جو جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکا"۔

ان احادیث سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ جماعت اور امیر کی سمع وطاعت فرض اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

۲۔ دین کے کام اور اصلاحی طریقہ کار کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ پہلے جماعت ہو اور اس کا ایسا نظم ہو کہ سب جماعتی لوگ (ارکان) ایک امیر کی بات سنیں اور اطاعت کریں۔

۳۔ جماعت سے علیحدہ رہنا گویا کہ اسلام سے علیحدہ ہونا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جماعت سے علیحدہ ہونا زمانہ جاہلیت کی طرف واپس جانا ہے کیونکہ اس دور میں عربوں میں کوئی کسی کی سننے والا نہ تھا۔

۵۔ اسلام کے اکثر تقاضے اور مقاصد نظم جماعت اور اجتماعیت سے پورے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے الگ ہونے کی صورت میں نماز، روزے اور مسلمانی کے دعوؤں کے باوجود اسلام سے نکلنا قرار دیا ہے۔ مطلب جماعتی زندگی کے بغیر انفرادی اعمال بھی پوری طرح قابل قبول اور اتنی اہمیت کے حامل نہیں جتنا ہونا چاہیے۔ اسی طرح ایک روایت میں اور وضاحت کے ساتھ فرمایا:

وَمَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيدَ قَوْسٍ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ صَلَاةٌ وَلَا صِيَامٌ وَأُولَئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ

[طبرانی]

"جو جماعت سے کمان کی مقدار الگ ہو گا اس کی نہ نماز قبول ہو گی نہ ہی روزہ، ایسے لوگ آگ کا ایندھن ہیں"۔

جماعت سے علیحدہ شیطان کا ساتھی ہے:

جو آدمی حق جماعت سے علیحدہ رہتا ہو تو شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے، شیطان اُس پر حاوی ہو جاتا ہے۔۔ جیسا کہ پہلے ایک روایت میں گزر گیا۔ "فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ" اور نسائی کی روایت میں ہے:

يَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَالشَّيْطَانُ مَعَ مَنْ خَالَفَهُمْ يَرْكُضُ۔ [نسائی]

"اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت کے ساتھ ہوتی ہے اور شیطان جماعت کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے جو ایڑ لگاتا ہے"۔

اور ایک دوسری روایت میں اس طرح کے الفاظ ہیں:

فَإِنَّ يَدَ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ يَرْتَكِضُ

[سنن کبریٰ، نسائی]

"اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت ہی کے ساتھ ہوتی ہے اور بے شک شیطان جماعت کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے جو ایڑ لگاتا ہے"۔

اسلام جماعت کے بغیر نامکمل ہے:

اسلام کی سربلندی، اس کے بول بالا کرنے، اس کی دعوت کو عام کرنے اور اقامت و غلبہ اسلام دنیا پر ہونے کے لیے جماعت ضروری ہے۔ اس کے بغیر اسلام کا مطلوب ہدف حاصل کرنا مشکل ہے۔ اسلامی شریعت کی اسی روح کو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

إِنَّهُ لَا إِسْلَامَ إِلَّا بِجَمَاعَةٍ وَلَا جَمَاعَةَ إِلَّا بِإِمَارَةٍ وَلَا إِمَارَةَ إِلَّا بِطَاعَةٍ۔

[سنن دارمی]

"اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت بغیر امیر کے نہیں ہو سکتی اور امیر وہ ہے جس کی سمع وطاعت ہو"۔

اطاعتِ امیر:

جماعت کی اہمیت اور ضرورت سمجھنے کے بعد دوسری بات اطاعت امیر ہے جیسا کہ دعوتِ اسلام اور نفاذ اسلام کے لیے جماعت ناگزیر ہے۔ تو اسی طرح جماعت کے بقاء کے لیے دیگر اصول و ضوابط کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ اطاعتِ امیر بھی بے حد ضروری ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول میں آپ نے دیکھ لیا کہ امیر کے بغیر جماعت جماعت نہیں رہتی۔ اگر جماعت موجود ہے لیکن امیر نہیں یا امیر بھی ہے لیکن اُس کی اطاعت نہیں تو اسے جماعت نہیں کہا جاتا وہ زیادہ سے زیادہ بھیڑ ہی ہو سکتا ہے۔ جماعت میں ریوڑ امیر کی موجودگی اور پھر ارکانِ جماعت کا امیر کی اطاعت ہی ایک کامیاب جماعت کی نشانی ہے۔ ایسی جماعت اپنے مقاصد اور اہداف کو حاصل کر سکتی ہے اور منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے۔ افراد کو دو چیزیں منظّم کرتی ہیں۔ ایک جماعتی مقصد و نصب العین اور دوسری چیز جماعت کی قیادت۔ مقصد کے گرد لوگ اپنی جگہ سے اٹھ اٹھ کر جمع ہوتے ہیں اور قیادت کے تحت اس کے لیے کام کرتے ہیں۔ مقصد نہ ہو تو مختلف افراد کے درمیان کوئی قدر مشترک نہ ہو گی اور تنظیم وجود میں نہیں آئے گی۔ قیادت نہ ہو تو تنظیم میں جمود ہو گا اور وہ کسی انقلاب کی اہل نہ ہو گی۔ اسی بناء پر جماعت کے لیے قیادت اور امارت کی ضرورت ہے اور پھر امیر کی اطاعت ناگزیر ہے۔

اطاعتِ امیر ہی سے اختلافات کے تمام دروازے بند ہوتے ہیں۔ جس جماعت کے ارکان میں امیر کی اطاعت ہو اُس جماعت میں قائدین سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ کارکنوں کے درمیان بھی الفت و محبت کے چشمے جاری ہوں گے۔ اطاعتِ امیر کسی بھی اجتماعی کام کے وجود کے لیے اتنا ہی لازم ہے جتنا کہ زندہ رہنے کے لیے سانس اور ہوا۔ اطاعتِ امیر ہی وہ حکم الٰہی ہے جس سے بڑے بڑے صاحبِ منصب اور ادنیٰ سے ادنیٰ کارکن کے اخلاص اور دعوائے صدق کو پرکھا جا سکتا ہے۔ یہی وہ کسوٹی ہے جو دعوت اور جہاد جیسی عظیم عبادت کو نفاق والی سیاست سے الگ کرتی ہے۔ اسی میزان میں خلافتِ راشدہ کے گورنروں، وزیروں، کمانڈروں کے ایمان واخلاص کو تولا جاتا تھا، اسی نبض سے حبِ جاہ وحبِ مال جیسے مہلک امراض کی تشخیص کی جاتی

ہے۔ یہی وہ راز ہے جس نے قرونِ اولیٰ میں اسلام کو چار دانگ عالم میں عزت و قوت، شوکت سے ہمکنار کیا اور یہی وہ جوہر اصلی ہے جس کے سامنے روم و فارس کی بڑی بڑی طاقتیں چند بوریا نشین مسکینوں کے سامنے پاش پاش ہو گئیں اور کفر و شرک کے بلند و بالا پختہ و مضبوط محلات دھڑام سے زمین بوس ہو گئے۔ لہٰذا کسی بھی تحریک کے ہر فرد کو خواہ وہ شوریٰ کا رکن ہو یا عہدہ دار، کسی علاقہ کا ذمہ دار، میدان جنگ کا شہسوار ہو یا کوئی دفتری اہلکار اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ جس قدر اطاعتِ امیر میں نقص آئے گا اسی قدر دعوتِ دین، اقامتِ دین اور تحریک و جماعت کے نصب العین کے حصول میں نقص آئے گا جتنا جذبۂ اطاعتِ امیر سے انحراف ہو گا اسی حد تک اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض اور شریعتِ مقدمہ سے روگردانی ہو گی اسی لیے اللہ نے اطاعت امیر کو اپنی اطاعت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ [نساء: ۵۹]

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ان کی جو تم میں صاحبِ امر ہیں“۔

اسی طرح حدیث میں بھی امیر کی اطاعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور امیر کی نافرمانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی قرار دی ہے۔

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي۔ [بخاری و مسلم]

”جس نے میری اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے یقیناً اللہ کی نافرمانی کی، جس نے اپنے امیر کی اطاعت کی اُس نے یقیناً میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے یقیناً میری نافرمانی کی“۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں موجود تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی مسلمانوں کے امیر بھی تھے، فوج کے سپہ سالار بھی تھے اور سربراہِ حکومت بھی، لیکن اُس

وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امراء کا ایک پورا سلسلہ موجود تھا اور یہ امراء مختلف سطحوں پر نگران اور قائد تھے۔ مثال کے طور پر کسی جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہیں ہوئے اور سریہ بھیجنا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے امیر مقرر فرماتے۔ کبھی کسی غزوہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود ہوتے اور فوج کی سپہ سالاری فرمارہے تھے، لیکن پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت دوسرے امراء بھی مقرر ہوتے، مثلاً میمنہ کا امیر، میسرہ کا امیر وغیرہ۔ پھر ان بڑی شاخوں کے آگے چھوٹی شاخیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ امیر کا تقرر ہوتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امراء کی ایک پوری زنجیر تھی اور اس زنجیر کو برقرار رکھنا ضروری تھا۔ اگر اس سلسلہ میں کہیں کوئی خرابی ہوتی تو لازماً منفی نتائج برآمد ہوتے۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں اطاعت کا حیران کن مادہ موجود تھا، لیکن امت کو سبق دینے کی خاطر ایک ایسا واقعہ غزوۂ احد میں پیش آیا۔

غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵۰ تیر اندازوں کا ایک دستہ ایک پہاڑی درے پر مقرر فرمایا اور عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم یہاں سے ہر گز مت ہلنا۔ جنگ کے دوران جب تیر اندازوں نے دیکھا کہ دشمن مغلوب ہو گیا تو انھوں نے اپنے امیر یعنی عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے روکنے کے باوجود اپنی جگہ اس خیال سے چھوڑ دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں تاویل کی اور یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم صرف دشمنوں کے فرار ہونے تک تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مقامی امیر کی حکم عدولی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے گھڑ سواروں نے موقع غنیمت جان کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا اور شدید نقصان پہنچایا۔ ۳۵ افراد کی اس اجتہادی غلطی کی وجہ سے ۷۰ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہید ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر امیر کی اطاعت کو واضح کر دیا۔

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تاکید سے سمجھائی کہ امیر ذات کے اعتبار

سے جیسا بھی ہو اُس کی تابعداری ہر حال میں واجب ہے۔

لہٰذا ارشاد فرمایا:

اِسۡمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنِ اسۡتُعۡمِلَ عَلَيۡكُمۡ عَبۡدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأۡسَهُ زَبِيبَةٌ۔ [بخاری]

"امیر کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح (پچکا ہوا کیوں نہ) ہو"۔

إِنۡ أُمِّرَ عَلَيۡكُمۡ عبدٌ مُجدَّعٌ يَقُودُكُمۡ بِكِتَابِ اللهِ تَعَالى، فَاسۡمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوهُ۔ [مسلم]

"اگر تم پر ایک اندام کاٹا ہوا غلام امیر مقرر کیا گیا ہو اور تمہاری قیادت اللہ کی کتاب و قانون پر کرتا ہو پس اُس کی مانو اور اطاعت کرو"۔

عَلَيۡكَ السَّمۡعَ وَالطَّاعَةَ فِي عُسۡرِكَ وَيُسۡرِكَ، وَمَنۡشَطِكَ وَمَكۡرَهِكَ وَأَثَرَةٍ عَلَيۡكَ۔ [مسلم]

"امیر کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو آسانی اور تنگی میں، خوشی اور گرانی میں اور اس وقت بھی جب تم پر کسی کو ترجیح دی جائے"۔

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سمع و اطاعت کا یہ حال تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان میں جس شخص کو حکم دیا جاتا وہ اس کی تعمیل کے لیے بے چین ہو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہجرت کا حکم دیا تو ان کو وطن چھوڑنے میں کوئی پس و پیش نہ ہوا۔ خاندان اور قبیلے سے ترکِ تعلق کا حکم دیا تو بخوشی الگ ہو گئے۔ صبر کا حکم دیا تو بے پناہ صبر کا مظاہرہ کیا۔ جہاد کا حکم دیا تو سر کٹانے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ اطاعتِ امیر کا یہ جذبہ نہ تو اس سے پہلے کسی میں دیکھا گیا اور نہ اس کے بعد اس کی کوئی مثال وجود میں آئی اس امت کے۔۔۔۔۔ قیادت میں شب و روز اس طرح کام کیا تو اسلام غالب ہوا اور اس کی دعوت کامیاب ہوئی۔ اب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اسلام کے نقش قدم پر چل کر اسی طرح ہم میں جماعت پر پابندی اور اطاعت امیر کا جذبہ موجود ہو تو ہم دنیا میں بھی

کامیاب ہو سکتے ہیں اور آخرت کی کامیابی تو یقینی ہے۔ امیر کی نافرمانی اور اطاعت سے نکلنے کی وجہ سے موت جاہلیت کی بن جاتی ہے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيْرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ [بخاری و مسلم]

"جس کو اپنے امیر کی کوئی چیز (طبیعت سے) ناگوار گزرے تو وہ صبر کرے کیونکہ جو امیر کی اطاعت سے ایک بالشت بھی نکلا وہ جاہلیت کے موت مرے گا"۔

اور اسی طرح ایک دوسری روایت ہے:

فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا وَمَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ عَلَيْهِ، إِلَّا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ [السنۃ لابن ابی عاصم: ۹]

"جو اطاعتِ امیر سے نکلا اور جماعت سے الگ ہوا وہ جاہلیت کی موت مرے گا"۔

البتہ اگر امیر شریعت کے خلاف حکم دے تو اُس کا ماننا واجب نہیں۔ امیر کے حکم کی نافرمانی صرف اُس صورت میں جائز ہے اگر وہ واضح طور پر شریعت سے تجاوز کرے یا وہ کفر بواح اختیار کرے۔

لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ [بخاری و مسلم]

"مسلمان آدمی پر فرض ہے کہ وہ امیر کا حکم توجہ سے سنے اور اس کی اطاعت کرے (خواہ امیر کا حکم) اس کی طبیعت کے موافق ہو یا مخالف سوا اس کے کہ امیر گناہ کا حکم دے تو پھر نہ اُس کا سننا جائز ہے اور نہ ہی اطاعت"۔

کیونکہ امیر کی اطاعت قرآن و سنت اور اجماع کی رو سے اس وقت تک ہے کہ وہ کسی غیر شرعی کام کا حکم نہ کر دے۔

ان تمام معروضات میں غور کرنے سے ہمارے علم میں اسلام کا کم سے کم تقاضا یہ

ہے کہ ایک مسلمان اپنے گرد و پیش ایسی کوئی جماعت تلاش کرے جو صحیح طور پر اسلامی طریقے پر دین کی دعوت و اقامت کے لیے سعی کر رہی ہو اور اس میں شامل ہو جائے اور اس کے لیے تیار رہے کہ جب کبھی ایسی جماعت پائی جائے تو اپنی انانیت چھوڑ کر ٹھیک ٹھیک جماعتی ذہنیت کے ساتھ اُس میں شامل ہو جائے۔ اور اگر اپنے گرد و پیش میں ایسی کوئی جماعت نظر نہ آتی ہو جو اسلام کے اجتماعی نصب کے لیے اسلامی طریقہ پر سعی کرنے والی ہو تو اسے سچے دل سے ایسی ایک جماعت کے وجود میں لانے کی سعی کرنا چاہیے، لیکن ایک نئی جماعت کو وجود میں لانا کوئی آسان کام بھی نہیں ہے اور جب اس نہج پر صحیح طور پر کوئی جماعت پہلے سے موجود ہو تو جماعتوں کو زیادہ کرنے کی کیا ضرورت ہے مقصد تو کام کرنا ہے اور اس کے لیے پہلے سے جماعت موجود ہو تو اسی جماعت میں شامل ہو کر اپنا فرض ادا کرنا چاہیے، لیکن اب آپ حضرات کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہو گا کہ جب جماعت اتنی ضروری اور امیر جماعت کی اطاعت لازمی ہے تو وہ کونسی جماعت ہے جس کو ہم اختیار کریں، ہم اس میں شامل ہو کر رکن بن جائیں؟

تو اس سوال کا جواب بہت آسان ہے۔ قرآن و سنت میں سوچنے کے بعد یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے اور ہمیں ایسی جماعت کی رہنمائی بھی مل سکتی ہے۔ قرآن و سنت اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں اگر ہم غور کریں تو انبیاء علیہم السلام کا کام اور مشن متعین ہو جاتا اور ایسی اعلیٰ جماعت کی صفات اور علامات معلوم ہو سکتے ہیں۔ اسی مشنِ انبیاء اور ان صفات و علامات کو موجودہ جماعتوں میں دیکھنا ہو گا کہ کون سی جماعت میں یہ صفات پائی جاتی ہیں اور کون مشن انبیاء پر گامزن ہیں۔ معلوم ہونے کے بعد ہمیں اُسی جماعت میں شمولیت اختیار کر کے اپنی اجتماعی ذمہ داری نبھانا ہو گی۔ قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہو چکا ہے اُن کی دعوت کا بیان ہوا ہے۔ ہر نبی نے دنیا کے لوگوں کو اللہ کی طرف لانے اور جوڑنے کے لیے اپنی دعوت اور تبلیغ کی ابتدا اُن دو مسئلوں سے کی جو تمام دین کی بنیاد اور ابتدائی تعلیم ہے۔ وہ ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یعنی مسئلہ توحید اور دوسرا نبی کی تابعداری یعنی نبی کی سنت کی پیروی۔ سورۃ شعراء میں اللہ تعالیٰ نے کئی انبیاء مثلاً نوح علیہ السلام، ھود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ

السلام، لوط علیہ السلام کی دعوت کا تذکرہ کیا ہے کہ ان تمام حضرات نے قوم کو یہ دعوت دی اور یہی مسئلہ سمجھایا کہ "فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنَ" ایک تو اللہ سے ڈرو شرک مت کرو اور دوسرا میری تابعداری کرو یعنی سنت کے پیروکار بنو۔ ہر نبی نے یہی دو مسئلے سمجھائے اور اسی کی دعوت دی ایک توحید اور دوسرا سنت۔

دوسری بڑی اور اہم نشانی قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات، طریقۂ تربیت، تزکیہ اور طرزِ دعوت و تبلیغ کا ذکر کیا ہے

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ [جمعہ: ۲]

"اللہ وہ ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں رسول کو بھیجا جو قوم پر اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تلاوت کرتا تھا اُن کا تزکیہ کرتا تھا اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا تھا جن سے وہ اس سے قبل ناواقف تھے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی تربیت اور تزکیہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن اور اپنی سنت کے ذریعے کیا کرتے تھے اور اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بھی تھا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ۔ [مائدہ: ۶۷]

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُس (کتاب) کی تبلیغ کر جو اللہ کی طرف سے تجھ پر نازل ہوئی"۔

اور پھر یہی کتاب قرآن تمام دنیا والوں کے لیے بھی دعوت و تبلیغ کا ذریعہ بنایا۔

هٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ۔ [ابراھیم: ۵۲]

"یہی قرآن تمام دنیا کے لوگوں کے لیے تبلیغ اور پہنچانے کی کتاب ہے"۔

اور پھر اس قرآن کی دعوت و تبلیغ اور بیان کو جہاد کبیر بھی کہا۔

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔ [فرقان: ۵۲]

"ان لوگوں کے ساتھ اس قرآن کے ذریعہ جہاد کیا کرو یہ بہت بڑا جہاد ہے"۔

اس اہمیت کی بنا پر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بیان قرآن اور تبلیغِ فرقان کو اپنی امت میں بہترین جماعت کی نشانی بھی بتلائی۔ لہٰذا فرمایا:

اَشْرَافُ اُمَّتِی حَمَلَةُ الْقُرْآنِ [مجمع الزوائد]

"میری امت کی اشراف ترین لوگ وہ ہیں جنھوں نے قرآن کو اٹھایا ہوا ہے"۔

اور مزید ارشاد فرمایا:

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ [بخاری]

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو خود بھی قرآن پڑھے اور دوسروں کو بھی پڑھائے"۔

اب یہی جہاد کبیر کرنے والے، اشرافِ امت کا لقب حاصل کرنے والے کون ہیں؟ کونسی جماعت ایسی ہے جس کے دستور میں قرآن کی تبلیغ اور درس وتدریس شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جماعت کی شکل میں منظم، اطاعت امیر کے زیور سے آراستہ بنا کر دعوت دین اور اقامت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ابو معاویہ محمد ایاز درانی

فروری، مارچ ۲۰۰۵ بمطابق ۱۴۲۶ھ